بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

آہ شمس العلوم والمعارف

وادریغا۔ کہ ابھی ہم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ۱۶ اگست منگل کی شام کو عین غروب آفتاب کے ساتھ ہم نے علم و معرفت کا ایک اور آفتاب بھی سپرد خاک کر دیا۔ ایک کے غروب سے کائنات رنگ و بو پر تاریکی چھا گئی تو دوسرے کے پنہاں ہونے سے کائنات علم و فضل میں ظلمت آگئی ——— علامۂ یگانہ محقق زمانہ، متکلم اسلام شمس العلوم والمعارف مولانا شمس الحق افغانی قدس اللہ سرہ العزیز واصل بحق ہوئے جو پچھلے دو ایک سال سے صاحب فراش تھے۔ ۱۶ اگست صبح نو بجے سانحۂ ارتحال پیش آیا نماز جنازہ اسی دن ۶ بجے شام ان کے گاؤں ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے جس میں بڑی تعداد علماء و صلحاء کی تھی علامہ مرحوم کے فضائل و مناقب پر مختصر خطاب فرمایا۔ دارالعلوم حقانیہ سے بڑی تعداد میں اساتذہ و طلباء نے بھی خصوصی بسوں کا انتظام کر کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ غروب آفتاب کے وقت اس علامۂ دوران کی تدفین عمل میں آئی، شام کی ڈھلنے والی تاریکیوں میں لوگ واپس ہو رہے تھے تو ارباب صدق و صفا اور اصحاب علم و فضل کے اس قدر تیزی سے رخت سفر باندھنے پر کتنے اصحاب درد تھے جن کے دل ڈوبتے جا رہے تھے اور زبان حال سے کوئی کہہ رہا تھا ؎

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

مولانا کی ولادت ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء ایک علمی خاندان میں ہوئی نام شمس القمر رکھا گیا جو بعد میں شمس الحق سے تبدیل ہوا، ابتدائی تعلیم کے بعد سرحد و افغانستان کے مشاہیر علم و فضل سے علوم و فنون کی تکمیل کی ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچ کر ۱۹۲۱ء میں علامۃ العصر سید انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ہندوستان کے ارتدادی فتنوں کی سرکوبی میں لگ گئے اور شدھی تحریک کی روک تھام

میں بھرپور حصہ لیا وہ ابتداء سے علمی میدان کے شہسوار تھے۔ علم وفضل کے ہتھیار سے آریہ سماج کے مشہور مناظرین کو بڑے بڑے اجتماعات میں عبرتناک شکست دی۔ اس کامیابی پر ان کے اکابر اساتذہ نے دلی مسرتوں کا اظہار کیا اور دل کھول کر دعائیں دیں۔

اس کے بعد برصغیر کے تقریباً ایک درجن علمی اداروں مدارس اور جامعات میں اسلامی علوم فنون کی تدریس میں منہمک رہے جن میں سرفہرست دارالعلوم دیوبند ہے جہاں آپ نے تفسیر کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کو ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات کی وزارت معارف کی پیشکش کی گئی اور اکابر کے مشورہ پر قضا وتعلیم کی وزارت کا قلمدان سنبھالا۔ پورے گیارہ سال آپ اس منصب پر فائز رہے، اس دور کے نظام عدل وقضا اور عدالتی قوانین سے متعلق آپ کی وابستگی کے نتیجہ میں دنیائے علم کو "معین القضاۃ والمفتیین" کی شکل میں قضاء وافتاء سے متعلق فقہ اسلامی کے چیدہ اصول وقواعد کا مجموعہ ملا جس نے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اسلام کے ضابطۂ دیوانی وفوجداری پر بھی آپ نے گرانمایہ کام کیا۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام کے سائے سمٹنے کی بجائے پھیلتے چلے گئے اور ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کے قیام کے ساتھ ان کے زیر نظم علاقے پر بھی اس نظام کے منحوس سائے چھاگئے اور شرعی قوانین کی بالادستی قائم نہ رہ سکی۔ تو آپ نے استعفاء دے دیا کہ کسی شرعی عدالت پر رائج الوقت عدالتوں کی برتری کو شریعت کے وقار اور شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب دیوبند کے راستے مسدود ہوگئے۔ اور بانئ دارالعلوم حقانیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کو بامر مجبوری گھر ٹھہرنا پڑا تو حضرت مرحوم نے اپنے ریاستی فرائض قضاء وتعلیم میں شریک کرانے مولانا موصوف کو باصرار بلوچستان بلانا چاہا، بات چل رہی تھی۔ اُدھر حق تعالیٰ نے مولانا مدظلہ سے دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں ایک عظیم کام لینا تھا شاید اس لئے یہ دعوت قبول نہ ہوسکی۔ ناچیز کے علاوہ بہت سے حضرات کو یہ حسرت رہی کہ کاش علامہ مرحوم بھی (بلوچستان کی مصروفیت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو) درس وتدریس کا روایتی سلسلہ اپنے مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد ایسے ہی اہم دینی مدارس میں جاری رکھے ہوتے۔ اور ریاستوں اور عصری جامعات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب کے دینی علمی خدمات کی بجائے کسی مدرسہ کے دارالحدیث یا خانقاہ کی مسند ارشادی پر متمکن رہتے تو ان کے خداداد افادہ کا حلقہ اور فیض واستفادہ کا دائرہ بہت ہمہ گیر اور عالمگیر ہوتا اور وہ تلامذہ اور مستفیدین کے اعتبار سے اپنے وقت کے علامہ کشمیری اور

علاّمہ عثمانی بن کر دنیا سے اٹھتے کہ ان کی عبقری شخصیّت اور علوم کی جامعیّت کے شایانِ شان یہی تھا۔ بلوچستان اور بہاولپور کے دور افتادہ اور تنگی بندھی ذمہ داریوں اور محدود فرائض نے ان کے علم وفضل کے بحرِ ذخار کو ایک گونہ بند لگا دیا۔ مگر پھر بھی تقریر وخطابت، تصنیف وتالیف بالخصوص عصرِ حاضر کے جدید مسائل پر قومی اور عصری کمیٹیوں اور مجالس مذاکرہ کی شکل میں آپ نے علم اور دین کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں شاید اس میں بھی اللہ کی یہی حکمت تھی کہ آپ مدارس کے شبانہ روز تدریسی بندھنوں سے آزاد رہ کر ان دائروں میں اسلام کی ترجمانی کر سکیں۔ جو ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی اور اس لحاظ سے آپ کا مقام عصرِ حاضر کے علماء میں بہت ممتاز تھا کہ اسلامی مباحث وعلوم کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے آپ عصرِ حاضر کے اٹھائے گئے شبہات پر سیر حاصل روشنی ڈالتے اور عہدِ جدید کے اذہان اور اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے۔ ہر تحریر وتقریر کا محور اور مرکزی نقطہ اسلامی مباحث وعقائد کی حقانیت کو کلامی انداز میں اجاگر کرنا اور دل نشین کرانا ہوتا وہ شریعت اسلامیہ کے لازوال عقائد واصول کو نہایت معقول اور محققانہ انداز میں پیش فرماتے۔ مغرب اور مغربیت پسندان کی نشتر زنی بڑی جارحانہ ہوتی۔ وہ اس ضمن میں جب مسٹر اور ملّا کا موازنہ کرتے تو عجیب نکتہ آفرینی فرماتے کہ مجمع متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا، ان کا اندازِ درس بھی محاضرات اور لیکچرز کا ہوتا جسے ان کے تلامذہ نوٹ کرتے وہ کسی بھی مشکل اور اہم موضوع کا عجیب عجیب عنوانات قائم کرکے تحلیل وتجزیہ کرتے۔ الحق کو سب سے زیادہ یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے اپنے آغاز ہی سے علامہ مرحوم کے علوم ومقالات کو پہلی بار شائع کیا۔ حضرت علامہ کے اکثر تصانیف ورسائل کا اکثر حصّہ اوّلاً الحق میں شائع ہوتا رہا۔ اور اس طرح مولانا کے علمی فیوضات سے بیرونی دنیا کو استفادہ وتعارف کا موقع ملا ان کی مادری زبان پشتو تھی مگر اردو میں نہایت شستہ تقریر فرماتے، تحریر کے ساتھ تقریر کا ایسا ملکہ کم ہی پشتون علماء کو حاصل ہوا وہ کسی علمی موضوع پر گفتگو کرتے تو ساری مجلس پر اسلامی عظمت وحقانیت کا رنگ چھا جاتا وہ اسلام کی حقانیت کے ترجمان اور علمی دنیا کا سرمایۂ افتخار تھے اور جب چلے گئے تو اپنا بدل اور نظیر نہیں چھوڑ سکے کہ اس دور میں ایسے وسیع النظر علماء تو کیا ان سے بہت کم درجے کے اصحابِ علم ودانش کا وجود عنقا بنتا جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی عظمتوں کی طرح وہاں بھی بلند وارفع درجات سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب ہو۔ اللھم افض علیہ من شآبیب رحمتک وعفوک وادخلہ الجنۃ واسقنا من علومہ وبرکاتہ۔ آمین۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔